کتاب نما

سفرنامہ ہند' پروفیسر محمد اسلم۔ ناشر: ریاض برادرز' ۴۰ اردو بازار لاہور۔ صفحات: ۵۱۹۔ قیمت: ۲۲۵ روپے۔

مصنف حرف آغاز میں لکھتے ہیں: "راقم الحروف نے ۱۹۵۰ سے ۱۹۸۶ تک بھارت کے تاریخی' علمی' دینی اور روحانی مراکز کے بار بار دورے کیے اور بعض اوقات اچانک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں کبھی کسی بھارتی مسلمان اسکالر کے قدم بھی نہ پڑے تھے۔ چہ جائیکہ کوئی پاکستانی اسکالر وہاں پہنچتا"۔ بلاشبہ اس بیان میں کوئی مبالغہ نہیں ہے بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ بھارت کا ایسا مفصل اور اتنے کثیر مقامات کا سفرنامہ نہیں لکھا گیا۔ مصنف پنجاب یونی ورسٹی میں شعبہ تاریخ کے پروفیسر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے بقول: ملفوظات کے موضوع پر' مخطوطات کی تلاش میں بھارت کی بڑی بڑی لائبریریوں کی خاک چھانی ہے اور اس طرح تمام اہم درگاہوں میں حاضری کی سعادت حاصل کی ہے۔ بھارت کے دینی اور روحانی مراکز کو ایک سے زائد مرتبہ دیکھا ہے۔ اس طرح (انھیں) وہاں بہت سے اساطین علم سے ملنے کا شرف حاصل ہوا جو' اب دنیاے فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔

پروفیسر موصوف کے بعض اسفار کی روداد پاکستانی جریدوں ("بینات" "الحق" اور "العلم") میں شائع ہوتی رہی ہے۔ اب انھیں متعدد اضافوں کے ساتھ کتابی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ان اقساط کو یکجا کرتے ہوئے ترتیب زمانی کو مدنظر رکھا جاتا تو بہتر تھا۔ بہ حالت موجودہ بھی یہ ایک دلچسپ اور حد درجہ قابل مطالعہ سفرنامہ ہے۔ کسی کتاب کی مقبولیت بڑی حد تک اس کی مطالعہ پذیری (readability) پر منحصر ہوتی ہے' اس لحاظ سے "سفرنامہ ہند" ایک کامیاب سفرنامہ ہے اور اپنے مخصوص انداز کا بھرپور تاثر پیش کرتا ہے۔

مصنف کو قبروں' قبرستانوں اور مقبروں اور مزاروں سے غایت درجہ دلچسپی ہے۔ کسی مقام پر اچانک کسی بزرگ کی قبر کا انکشاف انھیں مسرت و شادمانی سے سرشار کر دیتا ہے۔ وہ بھارت کے طول و عرض میں بڑے بڑے معروف شہروں سے لے کر دور دراز قصبوں اور دیہاتوں تک میں مدفون بزرگان دین کی قبروں تک پہنچے۔ اس ضمن میں ان کی معلومات وسیع اور حیرت انگیز ہیں۔ وہ علم الانساب پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ انھوں نے اکثر و بیشتر قبروں کے کتبے اور الواح بھی نقل کر دی ہیں۔

پروفیسر محمد اسلم' قاری کی انگلی پکڑ کر لیے چلتے ہیں اور ایک ماہر اور باخبر راہنما کی طرح اسے قریہ بہ قریہ

اور کوبہ کو بہ گھماتے اور مقابر و مزارات دکھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ ایک طرح کی رننگ کمنٹری بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔ تاریخی معلومات کے ساتھ، وہ کہیں کہیں جغرافیائی حدود اربعہ بھی بتا دیتے ہیں۔ کبھی کچھ تبصرہ بھی ہو جاتا ہے۔ آگرے میں اکبر کے مقبرے تک پہنچے تو بتایا ہے کہ اسے مغلوں کے آخری دور میں بڑا نقصان پہنچا۔ چور امن جاٹوں نے اکبر کی قبر کھدوا کر، اس کی ہڈیاں جلا کر، اس کی راکھ جمنا میں بہا دی اور مقبرے سے چاندی کے دروازے اور کھڑکیاں اکھاڑ کر لے گئے (ص ۳۶۱)۔

دیوبند میں پروفیسر موصوف نے بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اصل وصیت نامہ دیکھا جس میں یہ درج ہے کہ مدرسے کے لیے حکومت سے کسی بھی قسم کی امداد قبول نہ کی جائے اور زمینداروں اور جاگیرداروں سے مستقلاً کوئی رقم وصول نہ کی جائے، اس مدرسے کو محض توکل علی اللہ چلایا جائے۔ بعض واقعات سے مسلم بادشاہوں کی وسیع القلبی خصوصاً اورنگ زیب عالمگیر کی بے تعصبی اور غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کے شواہد ملتے ہیں (ص ۳۰۹)۔

سفرنامہ پڑھتے ہوئے احساس یہ ہوتا ہے کہ پروفیسر موصوف "ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں" کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ وہ کہیں تو ایک ایک، دو دو روز رکتے ہیں، کہیں فقط چند گھنٹے قیام کرتے ہیں اور کسی مقام پر چند لمحوں کے لیے، زیارت قبور کرنے کے بعد، وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی ایک بڑی دلچسپی کتب خانوں، کتابوں اور مخطوطات سے ہے۔ وہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ جیسے شہرہ آفاق کتب خانے سے لے کر احمد آباد کی ودیا سبھا لائبریری تک میں گئے، معلوماتی معلومات جمع کیں اور بعض نادر مخطوطات نقل کیے۔ ایک ایک دن انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی پٹیالہ اور پنجاب یونی ورسٹی چندی گڑھ میں، وہاں کے پروفیسروں کی معیت میں بھی گزارا۔

"سفرنامہ ہند" میں بھارت سے متعلق طرح طرح کی معلومات ملتی ہیں۔ مختلف شہروں اور قصبوں کا نسل وقوع اور ان کے دومیانی فاصلے، بہتر ذریعہ سفر، کسی شہر کی وجہ شہرت یا اس سے متعلق کوئی معروف شخصیت یا کوئی تاریخی واقعہ وغیرہ۔ منماڑ سے اورنگ آباد جاتے ہوئے ریل کے سفر میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ بتاتے ہیں کہ میں رات کا کھانا تناول کرنے ریلوے کے ریستوران میں گیا۔ اتفاق سے ایک مسافر، جو نرین میں میرے برابر والی سیٹ پر سفر کر چکا تھا، وہاں موجود تھا۔ میں نے ویجی نیرین کھانے کا آرڈر دیا۔ اس نے بھی کھانا منگوایا۔ ہم آمنے سامنے میز پر بیٹھے تھے۔ اس نے ایک ہتھیلی پر گلاس سے پانی ڈالا اور اسے اپنے سامنے میز پر اس انداز سے گرایا کہ اس کے اور میرے درمیان پانی کی دیوار حائل ہو گئی۔ اس سے وہ ایک مسلمان کے مسموم اثرات سے اپنے کھانے کو محفوظ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں دیر تک اس کی ذہنیت کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ اس طرح مسلمانوں کے خلاف نفرتیں نہ رکھتے اور

چھوت چھات کے قائل نہ ہوتے تو مسلمانوں میں ضم ہو جاتے۔ ایسی ہی مجنونانہ حرکات نے انھیں مسلمانوں سے، بلکہ یوں کہیے کہ اسلام کی روشنی سے دور رکھا (ص ۳۴۳)۔ بعض دیگر مواقع پر بھی مصنف کو ہندوؤں کی تنگ نظری اور تعصب کا اندازہ ہوا۔

کتاب علمی اعتبار سے بھی معلومات افزا ہے۔ اس میں رجال و شخصیات کے بارے میں خاصی قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ ناموں کے ساتھ قوسین میں بالعموم سنہ وفات درج ہے۔ مصنف قاری کو شہروں کے ساتھ وہاں کی اہم تاریخی مسجدوں، مدرسوں، مکتبوں، جامعات، مختلف اداروں اور تاریخی آثار کی سیر بھی کراتے ہیں۔ مصنف نے منظر نگاری یا جذباتی انداز نگارش سے اجتناب کیا ہے۔ ان کے ہاں بہت سے سفر ناموں کے برعکس حقیقت و واقعیت نمایاں ہے۔ انھیں باغ و راغ کے بجائے، رجال و شخصیات اور تاریخی آثار سے دلچسپی ہے۔ کتاب کے آخر میں بہت سے مزارات، مقابر اور عمارتوں کی تصاویر شامل ہیں۔ کتابت اور طباعت عمدہ ہے۔

ہندستان ۱۹۴۷ میں تقسیم ہو کر، دو الگ ممالک پاکستان اور بھارت کی شکل اختیار کر گیا۔ پروفیسر محمد اسلم کے سارے سفر ۱۹۴۷ کے بعد کے ہیں، اس لیے کتاب کا نام "سفرنامہ بھارت" زیادہ صحیح ہوتا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

جیلانی بی اے کی کہانی، ڈاکٹر تصدق حسین راجا۔ ناشر: مکتبہ دانیال حیدر راجا، ۱۱۴، اے، گلی ۵۵، جی ۳/۱۰ اسلام آباد۔ صفحات: ۲۰۹۔ قیمت: ۹۰ روپے۔

جیلانی بی اے (وفات: ۱۹۹۰) کا نام پاکستان کے سیاسی، خصوصاً تحریک اسلامی کے، حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ وہ ادب اسلامی کے چوٹی کے افسانہ نگار اور ادیب تھے۔ بعدازاں انھوں نے دنیاے ادب و افسانہ سے خود اختیاری جلاوطنی اختیار کی۔ ان کی بقیہ زندگی "چودھری غلام جیلانی" کی حیثیت سے عملی سیاست کے کوچے میں بسر ہوئی۔ جماعت اسلامی کے ایک فعال کارکن اور راہنما کے طور پر، مختلف ذمہ داریاں انجام دیتے رہے۔ آخری زمانے میں وہ کئی برسوں تک ہفت روزہ "ایشیا" کے مدیر رہے۔ اس حیثیت میں انھوں نے ملک نصراللہ خاں عزیز (وفات: ۱۹۷۶) کی بہترین صحافتی روایات کو قائم رکھا، بلکہ اپنے خوب صورت اسلوب تحریر کے ذریعے اردو کی صحافتی نثر کو ایک معیار عطا کیا۔ جیلانی بی اے کی شخصیت، افسانہ نویسی اور صحیفہ نگاری کے مختصر اور ابتدائی جائزے کے طور پر، زیرنظر کتاب ایک خوش آیند کوشش ہے۔

جیلانی نہایت منکسرالمزاج، حلیم الطبع اور شگفتہ مزاج شخص تھے۔ مصنف نے ان کی افسانہ نویسی کے

جائزے میں بجا طور پر ان کے وسیع مطالعے خصوصاً مغربی افسانوی ادب میں ان کی گہری دلچسپی اور تنقیدی و تجزیاتی بصیرت کا ذکر کیا ہے۔ سوانح کے باب میں مصنف کی کاوش سے زیادہ اصل چیز جیلانی کے خطوط (بہ نام اعجاز احمد فاروقی) ہیں جو ادب، تہذیب، ثقافت، زندگی، ایمان، خیر و شر اور فرانسیسی، روسی اور انگریزی افسانہ نویسوں اور ناول نگاروں کے فن کے بارے میں جیلانی کی دانش و بینش کی بڑی متاثر کن جھلک پیش کرتے ہیں۔ اس تاثر میں ان کے خوب صورت نپے تلے جملے اور سادہ مگر دل کش، خوب صورت اسلوب کا بھی بڑا دخل ہے، مثلاً: "محض خوب صورت الفاظ کا لکھ لینا ہی بڑائی نہیں، بلند ادب کی پہچان یہ ہے کہ اس میں انسانی فطرت کے راز آشکار ہوں" (ص ۳۹)۔ "دنیا کے بعض معاملات کتابوں سے نہیں معلوم ہوتے صرف زندگی کا تجربہ ہی ان کو منکشف کرتا ہے" (ص ۴۲)۔ "محض پھولوں کی زبان ادب کے لیے کافی نہیں، جب تک انسانی نفس کی حقیقتیں اس میں پوشیدہ نہ ہوں" (ص ۴۴)۔ "میرے نزدیک ایمان، ادب میں مانع نہیں بلکہ مولانا رومؒ اور اقبالؒ پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ اس ایمان کو اساس ادب بنایا جائے۔۔۔ اگر ایمان تخلیقی صلاحیت کے لیے مہلک اثر رکھتا تو پچھلی نصف صدی میں نہ تو آپ کو کوئی نذیر احمد ملتا، نہ اکبر، نہ حالی" (ص ۷۲)۔ "فلسفہ نام ہے آرام کرسی پر بیٹھ کر سوچ بچار کرنے کا۔ داعی سراپا شعلہ و اضطراب ہوتا ہے جبکہ فلسفی سراپا سکون اور گیان ہے۔ فلسفی عمل کی دنیا سے دور رہتا ہے۔ وہ تماشائی کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھنا چاہتا لیکن داعی جو کچھ کہتا ہے، اس پر شہادت دینے کے لیے اپنی جان و مال تک کی بازی لگا دیتا ہے" (ص ۱۱۲)۔

جیلانی کے ایک قریبی دوست اور مداح ڈاکٹر محمد یوسف عباسی نے اعتراض کیا تھا کہ جماعت اسلامی نے جیلانی سے افسانہ نگار کا قلم چھین کر اسے اداریہ نویسی اور سیاسی مضامین لکھنے پر لگا دیا۔ عباسی صاحب کا کہنا تھا کہ "اذان"، "بلعم بن بعور"، "موت کب آتی ہے" اور "چارلس ڈبلیو فلپس کا کیس" جیسے شاہکار افسانے لکھنے والوں کو جماعت کے پرچے (ایشیا) کی ادارت تھما دینا ایسا ہی ہے، جیسے کسی معمار کو گورکن بنا دیا جائے۔ زیر نظر کتاب کے مولف ڈاکٹر تصدق حسین راجا اس بارے میں لکھتے ہیں: عباسی صاحب ضرور اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ سب عشق کے معاملات ہیں۔ قبلہ بدل جائے تو انسان کا رخ خود بخود بدل جاتا ہے۔ کئی ادیب ایسے ہیں جن کی ادبی زندگی کی ابتدا افسانے لکھنے سے ہوئی۔ پھر وہ تاریخ نویسی سے ہوتے ہوئے "سیرت نگاری" کی وادی میں داخل ہو گئے۔ وہ اب لاکھ کوشش کر دیکھیں، افسانہ نہیں لکھ سکتے۔ قلم رک رک جاتا ہے اور شکوہ کرنے لگتا ہے کہ قلم کار اسے کہاں لیے جا رہا ہے۔ میری ذاتی رائے میں جیلانی اردو افسانہ نگاری میں جو کچھ ہمیں دے گیا، اس کا حصہ اتنا ہی کچھ تھا اور ہمیں جیلانی کی صحافتی اور سماجی زندگی کی فتوحات کو سامنے رکھ کر ان شاہکار افسانوں کے تخلیق نہ ہو سکنے کا ماتم نہیں کرنا چاہیے (ص ۱۲۶)۔

مصنف نے جیلانی کے افسانوں اور صحافتی تحریروں کا عمدہ تعارف کرایا ہے۔ آخری باب میں جیلانی کی ایک تلخیص کتاب (صبح سمرقند) اور پس مرگ شائع شدہ مجموعے (بہار کے پہلے پھول) پر تبصرہ کیا ہے۔ جیلانی نے ایک پادری کارلوسانیگو کی کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا ("ماؤزے تنگ کے دیس میں" مکتبہ چراغ راہ، کراچی)۔ زیر نظر کتاب کو پڑھتے ہوئے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ جیلانی کے ادبی سرمائے کا زیادہ وسیع اور گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ بھی کہ مرحوم کی باقی ماندہ تحریروں کو تلاش کر کے مدون و شائع کرایا جائے، خصوصاً ان کے خطوط کو جمع و مرتب کر دیا جائے تو یہ مجموعہ، جیلانی کی دانش ورانہ ذہانت اور ادبی و تنقیدی ذہن کا بڑا عمدہ نمونہ ہو گا۔ اعجاز احمد فاروقی نے تقریظ میں بالکل صحیح کہا ہے: "جیلانی کا ادبی مرتبہ و مقام اور کانٹری بیوشن تو آنکھ اوجھل، پہاڑ اوجھل ہو گیا اور اس کی دریافت ثانی کسی فرہاد کوہ کن کی سی محنت اور لگن چاہتی ہے"۔

ڈاکٹر تصدق حسین راجا کی یہ کاوش اس اعتبار سے قابل ستایش ہے کہ انھوں نے یہ کتاب محض اپنے ذوق و شوق سے تالیف کی ہے۔ امید واثق ہے یہ، جیلانی بی اے کے تعارف کا بہت اچھا ذریعہ ثابت ہو گی (ر-ہ)

روحِ انقلاب، ساجزادہ خورشید احمد گیلانی۔ ناشر: اتحاد فاؤنڈیشن، لاہور۔ صفحات: ۲۲۸۔ قیمت: ۱۳۰ روپے۔

وقتاً فوقتاً مختلف اخبارات و جرائد میں شائع شدہ ان مضامین کو کتابی صورت میں اس لیے یک جا کیا گیا ہے کہ ان سب میں کسی نہ کسی حوالے سے "انقلاب" کا تذکرہ ہے۔ ابتدا میں بعض مقامات پر محسوس ہوتا ہے کہ مصنف (یا مقرر) "انقلاب برائے انقلاب" کی بات کر رہے ہیں لیکن آگے چل کر بہ تکرار اسلامی انقلاب کا تذکرہ آتا ہے۔ اسلام کے نام پر روا رکھے جانے والے، کسی بھی قسم کے، استحصال کے خلاف خورشید گیلانی صاحب ننگی تلوار بنے نظر آتے ہیں۔ مصنف اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ بعض سنجیدہ حلقے بھی "اصلاح کے بجائے انقلاب" کی حمایت کو ایک جذباتی اور ناپختہ رویہ قرار دیتے ہیں، مگر مصنف کے خیال میں یہ محض ایک غلط فہمی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں: "وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو انقلاب کو تشدد اور انارکی کا ہم معنی لفظ قرار دیتے ہیں، بلکہ ہمارے نزدیک وہ انقلاب ابھی خام اور ناپختہ ہے جو صرف خونی دروازے سے برآمد ہو" (ص ۴۵)۔ ان کے خیال میں جو انقلاب: "پرانی اقدار کو شکست و ریخت سے دوچار تو کر دے لیکن معاشرے کو نئی اقدار نہ دے سکے، وہ یک رخا انقلاب ہے"۔ وہ اس بات کی بھرپور وکالت کرتے ہیں کہ جامع اور "متوازن انقلاب" صرف اسلامی انقلاب تھا۔ اس سلسلے میں وہ نبیؐ اور دیگر انبیا کی انقلابی کاوشوں کا تفصیلاً ذکر کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ایک علمی بحث ہے جو کتاب کے اکثر

مضامین میں بکھری ہوئی ملتی ہے۔

بنیادی طور پر یہ کتاب خشک فکری بحثوں کا مجموعہ نہیں، اظہار جذبات کا مرقع ہے۔ اصل زور یہاں "انقلاب" کی شدید خواہش پیدا کرنے اور "انقلاب" سے توقعات (خصوصاً معاشی انصاف کی توقعات) وابستہ کروانے پر ہے۔ انداز بیان تحریری سے زیادہ تقریری ہے۔ شاید اسی وجہ سے کتاب میں رموز اوقاف اور حوالہ جات کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ پرشکوہ الفاظ کا سحر اور بیان کا بہاؤ قاری کو متاثر کرتا ہے۔ طباعت بھی نہایت عمدہ ہے۔ اس سب کچھ کا مجموعی اثر یہ ہے کہ بقول ڈاکٹر محمد امین: "کتاب ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا"۔ (ڈاکٹر بلال مسعود)

Islamic Civilization in its Real Perspective، تالیف: مولانا صدر الدین اصلاحی۔ مترجم: اسرار احمد خان۔ ناشر: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ۔ صفحات: ۱۴۷۔ قیمت: ۹۰ روپے۔

اقامت دین کی تحریک میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو جن حضرات کا بھرپور قلمی تعاون حاصل ہوا، ان میں مولانا صدر الدین اصلاحی بھی شامل تھے۔ مولانا موصوف کی اردو تصنیفات "اساس دین کی تعمیر"، "فریضہ اقامت دین" اور "دین کا قرآنی تصور" اردو دان طبقے سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ان کا ایک مفصل مقالہ "معرکہ اسلام و جاہلیت" کے نام سے "ترجمان القرآن" کی تیرھویں جلد میں چھ اقساط میں شائع ہوا تھا۔ عدیم الفرصتی اور ضعف صحت کے سبب وہ ایک عرصے تک اس پر نظرثانی نہ کر سکے۔ ۱۹۸۳ میں انھوں نے مقالے پر نظرثانی کی اور اس میں کچھ اضافوں کے بعد اسے کتابی صورت میں شائع کرایا۔ علی گڑھ یونی ورسٹی کے فارغ التحصیل ڈاکٹر اسرار احمد خان (استاد بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کوالالمپور، ملائشیا) نے مذکورہ کتاب کو انگریزی زبان میں منتقل کیا ہے اور زبان و بیان پر نظرثانی میں ان کی معاونت ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی نے کی۔

اصلاحی صاحب کے اسلوب تحریر میں سب سے نمایاں چیز زبان و بیان کی سلاست ہے۔ وہ استدلال، آیت قرآنی سے لاتے ہیں۔ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ مباحث: جاہلیت کی جامع تعریف، نوحؑ، عادؑ، ثمودؑ، شعیبؑ اور انبیائے سابقہ کی قوموں کی جاہلیت، قرن اول کے لوگ کس بنا پر ہدایت سے انکار کرتے تھے، اسلام میں جاہلیت کیسے داخل ہوئی، جاہلیت کے مصادر کیا ہیں اور اس سے اسلامی کردار کی کس کس رخ پر بیخ کنی ہوئی وغیرہ۔ آخری باب میں اسلام کی طرف لوٹنے والوں اور اس کا کلمہ بلند کرنے والوں کے حوالے سے مفید گفتگو ہے۔

ایک زبان کے خیالات کو دوسری زبان میں ہو بہو منتقل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ زیر نظر کتاب کے مترجم کو بھی اس کا احساس ہے۔ اسی لیے انھوں نے دیباچے میں اس مشکل کا تذکرہ کر دیا ہے اور اسی لیے قرآنی آیات کا ترجمہ انھوں نے علامہ محمد اسد کے انگریزی ترجمہ قرآن سے لیا ہے۔ زبان و بیان اور اسلوب کے لحاظ سے یہ ترجمہ قابل قبول ہے۔ بظاہر کہیں جھول محسوس نہیں ہوتا۔ مصنف کے خیالات کو ان کی روح سمیت انگریزی میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاہم کہیں کہیں مترجم بے بس نظر آتا ہے اور وہ اردو اور عربی الفاظ کو حواشی میں بغیر وضاحت کے درج کر دیتا ہے۔ چند مقامات پر مترجم نے اردو پیراگراف ختم کر دیے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ بہرحال انگریزی دان حضرات، عوام و خواص، خصوصاً دینیات وسیاسیات سے دلچسپی رکھنے والے اس کتاب کو مفید پائیں گے۔ انگریزی اسلامی ادب میں یہ ایک اچھا اضافہ ہے۔ طباعت معیاری، کاغذ عمدہ اور سرورق دیدہ زیب ہے۔ (محمد ایوب منیر)

بچوں کی لائبریری، کیوں اور کیسے؟ از پروفیسر مقصود احمد۔ ناشر: اسلامی نظامت تعلیم پاکستان، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۳۰۔ قیمت: درج نہیں۔

پروفیسر مقصود صاحب نے ۳۰ صفحات کے کوزے میں معلومات اور عملی رہنمائی کا دریا جمع کر دیا ہے۔ اسلامی نظامت تعلیم نے تعلیمی اداروں کے لیے نہایت مفید کتاب پیش کی ہے لیکن اس لطیفے کے ساتھ کہ مندرجات کے نمبر ۹ سمعی و بصری معاونات کے بعد نمبر ۱۰ "چند اہم کتب خانے"، متن میں (ص ۲۵) "بچوں کے کتب خانے" ہو جاتا ہے اور اس کے بعد کے مندرجات نمبر ۱۱ جماعت وار کتب، نمبر ۱۲ "بچوں کے رسائل" اور نمبر ۱۳ "ناشران کتب" موجود نہیں ہیں۔ (غالباً اسی لیے مندرجات پر صفحات نمبر نہیں ہیں)۔ معلوم نہیں ناشر کو جلدی تھی یا مصنف کو؟ (مسلم سجاد)

ابلیسی مغالطے، محمد شریف قاضی۔ ناشر: فیروز سنز، لاہور۔ صفحات: ۱۳۵۔ قیمت: درج نہیں۔

فریب ابلیس، محمد شریف قاضی۔ ناشر: فیروز سنز، لاہور۔ صفحات: ۱۰۱۔ قیمت: درج نہیں۔

ابلیس انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اس نے آدم کو نہ صرف جنت سے نکلوایا بلکہ اس کے زمین پر آباد ہونے کے بعد بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ ہر طرف سے آدمی پر حملہ آور ہوتا ہے اور ہر حیلے بہانے اسے راہ حق سے بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے حربے اتنے مرموز اور زبردست ہوتے ہیں کہ ان سے بچنا عام طور پر آسان نہیں ہوتا۔ شیطان کے شر سے وہی لوگ محفوظ رہتے ہیں جو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے اور اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے شیطان کے حربوں کی نوعیت اور حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن عام لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لیے ایسی تحریروں کی

ضرورت رہی ہے جو سادہ، عام فہم اور دلکش اسلوب میں لکھی گئی ہوں۔ کسی زمانے میں علامہ ابن جوزی نے "تلبیس ابلیس" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی تھی جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے لیکن اس کا انداز بیان عالمانہ ہے اس لیے ہر شخص اس سے شاید مستفید نہیں ہو سکتا۔ جناب محمد شریف کی زیر تبصرہ کتابیں اس اعتبار سے غنیمت ہیں کہ ان میں ابلیس کے گمراہ کن حربوں اور اس کی وسوسہ اندازیوں سے لوگوں کو بخوبی آگاہ کیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کا اسلوب عام فہم ہے۔ انھوں نے مختلف عنوانات کے تحت فرامین الٰہی کا ترجمہ اور توضیح و تشریح درج کر دی ہے جس سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو قرآن مجید کو براہ راست سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اس طرح اپنے فکر و عمل کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

نُورٌ عَلٰی نُور، سید نظر زیدی۔ ناشر: صبح صادق پبلی کیشنز، بی۔۳ وحدت روڈ، لاہور۔ صفحات: ۲۰۸۔ قیمت، ۹۰ روپے۔

نظر زیدی صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں اور شعر و ادب کو اخلاقی اور مثبت قدروں کی ترویج کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کا زیر نظر شعری مجموعہ حمد و نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔ ہمارے بعض شعرا حمد اور نعت میں حد فاصل قائم رکھنے میں محتاط نہیں رہتے۔ زیدی صاحب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام تر عقیدت و محبت کے باوجود، ناروا مبالغے سے اجتناب کیا ہے اور پوری طرح حد ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔ ایک حصے میں "احسن الکلام" کے تحت بعض احادیث نبویؐ کے مفہوم کو چھوٹی چھوٹی نظموں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ مختصر نظمیں مفید، موثر اور سبق آموز ہیں۔ (ر۔ ہ)

معلم النحو، معلم الصرف، تبویب الصرف، تعلیل الصرف، مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔ ناشر: الرحیم اکیڈیمی، اے ۷/۷ اعظم نگر، لیاقت آباد، کراچی ۱۹۔ صفحات: علی الترتیب ۸۸، ۶۴، ۸۰، ۸۸۔ قیمت: درج نہیں۔

دینی مدارس میں عربی گرامر کے نصاب میں پرانی طرز کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور وہ بھی بالعموم فارسی میں ہیں۔ "سلسلہ عربی نصاب جدید" کے تحت یہ چار کتابچے مبتدیوں کے لیے مفید ہیں۔ گرامر کو سوال و جواب کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے۔ قابل فہم ہے اور کسی اکتاہٹ کے بغیر پڑھا جا سکتا ہے۔ عربی زبان کے طلبہ کے علاوہ، عام شائقین بھی اسے مفید پائیں گے۔ (عاصم نعمانی)